ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

عبداللہ حسین کے ناولوں میں معاشی تصورات

ECONOMIC CONCEPTS IN ABDULLHA HUSSAIN' S NOVELS

صائمہ اقبال
لیکچرار شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد
ڈاکٹر پروین کلو
ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

Abstract:

Abdullah Hussain *(Urdu: عبداللہ حسین), (14 August 1931 – 4 July 2015) was an Urdu novelist and short story writer.Abdullah Hussain shot into fame with his novel Udaas Naslain. He also wrote novel Baag and Nadar Log.In his novels abdullha Hussain describes the First World War, the partition of the country and the economic situation that followed. He beautifully describes the everchanging values, traditions, lifestyles and economic conditions and problems of Urban and rural life.His novels deal with rural life and peasant life, from thought and suffering to political struggle.Public unrest and economic perceptions of the general public,s economic problems. This article gives an economic overview of his three novels "Udaas Naslain" "Baag" and "Nadar Log".*

Key words: Abdullah Hussain, economic,novels, "Udaas Naslain" "Baag" and " Nadar Log".

عبداللہ حسین ۱۴ / اگست / ۱۹۳۱ء کو راولپنڈی پیدا ہوئے اور ۴ / جولائی / ۲۰۱۵ء کو لاہور میں وفات پائی۔ پاکستان سے تعلق رکھنے والے بین الاقوامی شہرت یافتہ ناول نگار اور افسانہ نگار ہیں۔ یہ اپنے ناول ' اداس نسلیں ' کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اردو میں تین ناول اداس نسلیں (۱۹۶۲ء) باگھ (۱۹۸۲ء) اور نادار لوگ (۱۹۹۶ء) لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ دو ناولٹ ' قید ' اور ' رات ' بھی لکھے ہیں۔ اس مضمون میں ان کے تین ناولوں "اداس نسلیں" باگھ" اور "نادار لوگ" کا معاشی حوالے سے جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

اداس نسلیں

یہ ناول ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔ اس ناول میں پنجاب کے ایک گاؤں ' روشن پور ' کے کسانوں کے سیاسی و معاشی حالات کا بیان ہے۔ ' اداس نسلیں ' میں تین طبقات کے حوالے سے معاشی تصورات پیش کیے گئے ہیں۔ اس میں جاگیر دار طبقہ، سرمایہ دار طبقہ اور متوسط طبقہ نمایاں طور پر موجود ہیں ۔ نواب روشن اور اس کا بیٹا غلام محی الدین روشن جاگیر دار طبقہ کے نمائندہ کردار ہیں۔ انگریز سرمایہ دار طبقہ کے اور نیاز بیگ اور اس کا بیٹا نعیم کسان متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے پیشہ ور مزدور، مچھرے، جولاہے اور دہشت گردوں کے حوالے سے بھی معاشی تصورات اس ناول میں نظر آتے ہیں۔

اس ناول میں 'روشن پور' کے نظام معیشت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس گاؤں میں زیادہ تر کسان ہیں جو زراعت کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ کسان معاشی لحاظ سے بدحال تھے۔ وہ سارا سال محنت مشقت کرتے تھے۔ وہ اپنے خون سے فصلیں اگاتے ہیں لیکن ان کی محنت کا زیادہ تر حصہ جاگیر دار، سرمایہ دار اور برطانوی سامراج لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ جاگیر دار طبقہ اور سرمایہ دار طبقہ معاشی لحاظ سے پر سکون ہیں اور کسان معاشی لحاظ سے بدحالی کا شکار ہے۔

اس ناول کا موضوع پہلی جنگ عظیم سے تقسیم وطن تک کے واقعات پر محیط ہے۔ ان واقعات کے بیان میں نہ صرف تاریخ کے مختلف ادوار اور ان کی تلخ حقیقتوں کو تہہ در تہہ کھولا گیا ہے۔ بلکہ وقت اور حالات کے ساتھ ہر لحہ بدلتی ہوئی اقدار و روایات، طرز زندگی اور شہری و دیہاتی زندگی کے معاشی حالات و مسائل کو خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ اس ناول میں پیش کی جانے والی دیہی زندگی اور کسان کا رہن سہن، سوچ و فکر اور مصائب سے لے کر سیاسی جدوجہد، عوامی بے چینی اور اس کے معاشی مسائل کے حوالے سے معاشی تصورات کو پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد افضال بٹ لکھتے ہیں :

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

"اداس نسلیں، میں ہندوستان کے غریب کسان، مزدور کی زندگی کو تاریخ کے تناظر میں دکھایا گیا ہے۔ جس کے تمام نشیب و فراز ناول میں بڑی وضاحت اور تجرباتی ڈھنگ سے پیش کئے گئے ہیں۔" (۱)

اس ناول میں تین ادوار پیش کیے گئے ہیں۔ پہلا برطانوی حکومت، دوسرا جدوجہد آزادی اور تقسیم ہند کے فوراً بعد کا دور ہے۔ یہ ناول ان تین ادوار کے حوالے سے معاشی تصورات کا آئینہ دار ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار نعیم اور اس کا باپ نیاز بیگ ہے۔ نیاز بیگ نے وقت کے ساتھ مختلف پیشوں کا انتخاب کیا ہے۔ نیاز پہلے ہتھیاڑ بناتا تھا۔ لیکن اس کام کی وجہ سے اسے جیل جانا پڑا چنانچہ اس نے اس پیشے کو چھوڑ کر زراعت کا پیشہ اختیار کیا۔ ان کی اپنی زمینیں ہیں جن پر وہ کاشت شروع کرتا ہے۔ نیاز کے جیل چلے جانے سے نعیم کی پرورش اس کا چچا کرتا ہے۔ نعیم کا چچا کلکتہ میں رہتا تھا۔ نعیم کی ملاقات وہیں اپنے گاؤں کے جاگیر دار 'روشن آغا' اور اس کی بیٹی عذرا سے ہوتی ہے۔

نیاز کے جیل سے واپسی پر نعیم بھی اس کے پاس 'روشن پور' آجاتا ہے۔ باپ کے ساتھ مل کر کاشت کاری کرتا ہے۔ جنگ عظم اوّل کی وجہ سے جب فوج میں بھرتیاں ہوتی ہیں تو فوج میں چلا جاتا ہے۔ آخر کار جنگ میں اپنا ایک بازو کٹوا کر اور بدلے میں وکٹوریا کراس جیت کر واپس آجاتا ہے۔ گاؤں آ کر وہ دوبارہ اپنے باپ کے ساتھ کاشتکاری شروع کر دیتا ہے۔ اسی دوران ہمیں ایک جرمن ترکھان بھی نظر آتا ہے جو نعیم کو لکڑی کا بازو بنا کر دیتا ہے۔ نعیم کا چھوٹا بھائی علی زراعت کے پیشے کو چھوڑ کر شہر آکر مل میں ملازمت کرتا ہے۔ علی مزدور طبقہ کا نمائندہ ہے جو سرمایہ داروں کا ظلم سہتا ہے۔

عبد اللہ حسین نے اس ناول میں گاؤں کے حوالے سے زراعت کے شعبے کے حوالے سے بھی معاشی تصورات کو بیان کیا ہے۔ زراعت کے شعبے سے دو طبقات وابستہ ہوتے ہیں۔ ایک طبقہ کا تعلق کسان سے ہے اور دوسرا طبقہ زمیندار کہلاتا ہے۔ ایک کسان جو مٹی کو اپنے پسینے سے بار آور کرتا ہے۔ وہ جاگیر دارانہ مظالم کے باوجود اپنی مٹی اور اپنے کھیتوں سے پیار کرتا ہے۔ نیاز کسان کے پاس تیرہ ایکٹر زمین ہے۔ جس کو وہ بیائی کے لیے تیار کرتا ہے۔ اس کی معاشی زندگی کا تمام تر انحصار اسی زمین پر ہے۔ وہ صبح سویرے ہی اپنے کھیتوں میں پہنچ جاتا ہے۔ عبد اللہ حسین نے نیاز کی حالت کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

"کیکر کے نیچے پہنچ کر وہ ہل جوتنے لگا۔ پھر کھیت میں گھس گیا اور زمین کو محسوس کرنے لگا۔ " بالکل تیار ہے۔" اس نے اپنے آپ سے کہا اور خوشی کے مارے کھیت کا لمبا چکر کاٹا۔ زمیں سہاگا پھرا کر ہموار کر دی گئی تھی۔ اور اندر سے نرم اور نمدار تھی۔ اس میں بس اتنا پانی تھا کہ مٹی ہاتھ میں بھر بھی جائے اور انگلیوں پر نمی بھی چھوڑ جائے۔ " پانی پورا ہے" اس نے بار بار مٹی کو ہاتھ میں لے کر ملتے ہوئے کہا۔ پھر جا کر بیلوں کو تھپتھپایا اور جیسا کہ بعض کسانوں کی عادت ہو جاتی ہے۔" (۲)

عبد اللہ حسین نے اس ناول میں ہندوستان کے کسان کی معاشی زبوں حالی اور اس کی حالت زار، اس کی زندگی کی مشکلات اور یکسانیت، اس کے ساتھ روا رکھے جانے والے بے رحم رویوں اور بے مصرف محنت کے حوالے سے معاشی تصورات پیش کیے ہیں۔ کسان اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے دن رات کام کرتا ہے۔ لیکن مختلف آسمانی آفات سے اس کو جو نقصان ہوتا ہے۔ اس کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔ اس کے پاس مٹھی بھر گندم بھی نہیں رہ جاتی جس سے وہ اپنے بچوں اور جانوروں کا پیٹ بھر سکے۔ کسان کی معاشی مشکلات میں کس طرح اضافہ ہوتا ہے۔ وہ نعیم اور میندر سنگھ کے ایک مکالمہ سے واضح ہو جاتا ہے:

"اس سال سیلاب آیا تھا۔ دریا نے بڑی تباہی کی۔ ساونی زیادہ تر تباہ ہو گئی۔۔۔ پھر جانوروں میں وبا پھیل گئی۔ خصوصاً 'موکھر' سے بہت سے جانور مرے۔ لیکن میری جوڑی جو گندر سنگھ نے پہلے ہی بیچ دی تھی۔ گھوڑی اور بھینس وبا میں مر گئیں۔ نیاز بیگ خوش قسمت رہا۔ اس نے سارے جانور بیماری سے پہلے ہی بیچ دیئے تھے۔ اس کی فصل بھی بچ گئی۔" (۳)

کسان کی معاشی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ اس کا ذمہ دار جاگیر دار طبقہ تھا۔ جاگیر دار طبقہ کے ظلم سے کسانوں کی معیشت تباہ ہو رہی تھی۔ جس کی وجہ سے کسانوں میں اپنے حقوق کے لیے معاشی جدوجہد کا شعور پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اب یہ احساس ہو گیا تھا کہ اگر انھوں نے اپنے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

معاشی حالات کو درست کرنا ہے تو خود اپنے لیے آواز اُٹھانا پڑے گی۔ یہ سوچ ایک بہت بڑی معاشی تبدیلی اور انقلاب کی پیش رو تھی۔ عبداللہ حسین نے اس ناول میں کسانوں کے اس معاشی انقلاب کے حوالے سے بھی معاشی تصور کو پیش کیا ہے:

"انہوں نے ایک بڑی، بدلتی ہوئی دنیا دیکھی۔ سر اُٹھاتے اور کمر سیدھی کرتے ہوئے کسانوں کی دنیا جو تیز ی سے بدل رہی تھی اپنی حیثیت اور طاقت کا علم جو متعدی بیماری کی طرح کسانوں میں پھیلتا جا رہا تھا۔" (۴)

عبداللہ حسین نے اس ناول میں کسان طبقہ کی معاشی ابتری اور ان کی معیشت کا ان کی شخصیت اور کردار پر اثرات کے حوالے سے بھی معاشی تصوارت کو خوبصورت اور دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔ یہ ناول کسانوں کی زندگی، اس کی معاشی تنگدستی، زبوں حالی اور اعلیٰ طبقہ کی طرف سے ان پر ہونے والے معاشی ظلم کے حوالے سے بھی معاشی تصوارت کا عکاس ہے۔ عبداللہ حسین اس ناول میں لکھتے ہیں:

"ملک کے لاکھوں کھیتوں میں جھک کر کام کرتے ہوئے کروڑوں کسانوں نے سر اُٹھایا اور کمر سیدھی کی اور غرور سے ابرو پر انگلی تھپکا کر پسینہ خشک کیا۔ یہ ہندوستان کا بدنصیب کسان تھا۔ جس نے ان گنت مصیبتیں بغیر احساس کے جھیلی تھیں۔ اس کے چہرے پر بے شمار لکیریں اور گہری تھکن کے آثار تھے اور اس کا جسم موسموں کی شدت میں ننگارہ رہ کر قرمزی پڑ چکا تھا۔ اس کے حصے کا اناج زمینداروں کے گھروں میں تھا۔ اور اس کی عورتوں کے زیور مہاجنوں کے پاس رہن رکھے تھے۔ اس کے ہاتھ خالی تھے اور وہ نادار تھے۔" (۵)

عبداللہ حسین نے اس ناول میں جاگیر طبقہ کے حوالے سے بھی معاشی تصورات کو بیان کیا ہے۔ یہ طبقہ معاشی حوالے سے خوشحال طبقہ ہے جو خوبصورت کوٹھیوں اور بنگلوں میں رہتے ہیں۔ سفر کرنے کے لیے لمبی لمبی موٹریں استعمال کرتے ہیں۔ ان کی عورتیں خوبصورت لباس پہنتی ہیں۔ یہ اپنے گھروں میں معمولی معمولی باتوں سے خوش ہو کر تقریبات کا اہتمام کرتے ہیں۔ رنگ برنگے کھانے تیار کیے جاتے ہیں۔ ان تقریبات میں بس اعلیٰ طبقہ مدعو کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ معاشی لحاظ سے بہت خوشحال ہیں۔ ان کے ہاں ہونے والی تقریب کا بیان مصنف اس طرح کرتے ہیں :

"کھانے کی میزوں کی دو لمبی قطاریں تھیں۔ جن پر سب مہمان با آسانی بیٹھ گئے۔ سبزے کے اس قطعے پر رنگین قمقموں کا جال بچھا تھا۔ رکابیوں میں بھنے ہوئے سالم مرغ اور تیتر لکڑی کی ٹانگوں پر کھڑے تھے۔ پلاؤ ابھی نہیں آیا تھا۔ پر خوشبو آ رہی تھی۔ دس سے زیادہ قسم کے کھانے میز پر آ چکے تھے۔" (۶)

کسان اور محنت کش زمین کے سینے سے فصل پیدا کرتے ہیں لیکن اس فصل سے اس کی معاشی حالت میں سدھار نہیں آتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کی فصل کا زیادہ تر حصہ جاگیر دار طبقہ لے جاتا ہے۔ جاگیر دار طبقہ اپنی انفرادیت، شان و شوکت اور معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ان کسانوں کو کمزور سے کمزور تر کرتا چلا جاتا ہے۔ 'روشن آغا' کا کردار اس ناول میں صرف روشن پور کے کسانوں کی معاشی بے حالی کا ذمہ دار نہیں بلکہ اس ظالمانہ جاگیر دارنہ نظام کا ایک روایتی کردار ہے۔ روشن آغا اور عام کسان کی معاشی حیثیت میں جس قدر فرق ہے اس کا بیان عبداللہ حسین نے اس ناول میں اس طرح کیا ہے:

"تم نے میرے باپ کو کھیتوں میں کام کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ یا اپنے باپ کو؟ ان کی انگلیاں ٹیڑھی ہو گئی ہیں اور پیٹھ کی خال دھوپ میں جل گئی ہے اور آنکھوں میں پسینہ بہہ بہہ کر وہ اندھے ہو گئے ہیں ان پر اتنا قرض ہے کہ سات پشتیں ادا نہیں کر سکتیں۔ اور تم نے مالکوں کے مکان دیکھے ہیں اور زمینیں اور مویشی؟ اور جتنا دودھ ان کے گھر میں جاتا ہے اتنا تم نے ساری عمر میں بھی پیا ہے؟ تم کہاں کی بات کرتے ہو۔" (۷)

جاگیر دار اور متوسط طبقے کے معاشی حالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس فرق کے بارے میں ڈاکٹر محمد افضال بٹ لکھتے ہیں :

" ایک طرف روشن آغا اور ان جیسے کئی لوگ اس عہد کے کسان مزدور کی محنت کے بل پر شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے ان لوگوں نے صرف خود غریبوں کا استحصال کیا بلکہ انگریز حاکموں کو یہ جبریہ بھرتی کر کے سپاہی اور نذرانے پیش کرتے تھے۔ دوسری طرف عام مزدور اور کسان تھے جو سخت مصیبت اور اذیت میں مبتلا تھے جنھوں نے ساری زندگی پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا۔ دنیا کی چھوٹی چھوٹی خوشی نہ دیکھی تھی۔"(۸)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

جاگیر دار طبقہ بھی اپنی معاشی حالت کو بر قرار رکھنے کے لیے اپنے آقاؤں کو خوش رکھتے ہیں۔اس سلسلے میں روشن آغا نے انگریز سرکار کو خوش کرنے کے لیے جنگ عظیم اوّل میں گاؤں گاؤں پھر کر فوج میں بھرتی کے لیے نوجوان فراہم کیے۔ان نوجوانوں کے خاندان جو پیچھے رہ جاتے ان کو تمام معاشی وسائل فراہم کرنے کے وعدے بھی کیے۔حکومت کی طرف سے جاگیر اور روپیہ دینے کی یقین دہانی بھی کروائی جاتی۔اس طرح مزدور اور متوسط طبقہ جاگیر داری کی بھینٹ چڑھ جاتے۔وہ خود بھوکے سو جاتے لیکن اپنے حاکموں کو خوش کر دیتے تھے۔اس معاشی تصور کے حوالے سے ڈاکٹر مشتاق احمد قدوانی لکھتے ہیں:

"عبد اللہ حسین نے بجاطور پر " اُداس نسلیں " میں جاگیر دارانہ نظام کو پیش کیا ہے۔ جس میں ایک طرف انگریزوں کا ہندوستان میں ظالمانہ نظام حکومت ہے تو دوسری طرف تقسیم ہند کے بعد جاگیر دارانہ نظام کا بکھرتا ہوا شیرازہ اور پاکستان میں ان کا از سر نو اپنی پرانی حیثیت حاصل کرنے کی کوشش۔علاوہ ازیں زمینداروں کے ڈھائے جارہے ظلم وستم کا نقشہ بھی دکھایا ہے۔" (۹)

روشن آغا اپنی شان وشوکت اور معاشی مقام ومرتبہ میں اضافہ کی خاطر موٹر خریدتا ہے۔اس موٹر کی قیمت کی ادائیگی کے لیے کسانوں پر ایک نیا ٹیکس " موٹرانہ " کے نام سے عائد کر دیا جاتا ہے۔سیلاب سے تباہ حال کسان جن کے پاس خود اپنے خاندان کو کھلانے کے لیے اناج نہیں ہے پھر بھی "موٹرانہ" دینے سے انکار کرنے کی ہمت نہیں کرتے۔جب احمد دین اپنے حق کے لیے آواز بلند کرتا ہے اور موٹرانہ دینے سے انکار کرتا ہے تو روشن آغا کی طرف سے اس کے ساتھ غیر اخلاقی سلوک کیا جاتا ہے۔

عبد اللہ حسین کا یہ ناول سرمایہ دارانہ طبقہ اور اس کے ذریعے مزدوروں پر ہونے والے ظلم اور معاشی استحصال کے حوالے سے بھی معاشی تصورات کا آئینہ دار ہے۔نعیم کا چھوٹا بھائی علی ہے۔وہ بھی کسان ہے لیکن نعیم کے کہنے پر وہ شہر آجاتا ہے اور کپڑے کی مل میں نوکر ہو جاتا ہے۔علی مل میں مزدوری کرتا ہے۔مل کے پاس ایک چھوٹی سی بستی ہے جس کا نام "شانتی نگر" ہے۔علی اس بستی میں رہائش اختیار کرتا ہے۔وہ بستی کافی اچھی بنی ہوئی تھی۔اس بستی میں بھی معاشی لحاظ سے مختلف طبقات کے لوگ رہتے ہیں۔مصنف اس کے بارے میں اس طرح بیان کرتا ہے:

"بڑی بستی میں ہاتھ سے کام کرنے والے کاریگر اور چھوٹے موٹے کاموں میں ان کی مدد کرنے اور کام سیکھنے والے لوگ تھے۔یہ زیادہ تر وہ لوگ تھے جو در حقیقت کسان تھے اور خشک سالی و مزارع گری سے تنگ آ کر شہر میں محنت کرنے کے لیے آگئے تھے۔ان میں سے بہت کم ایسے تھے جن کا آبائی پیشہ لوہار یا تر کھان کا تھا۔باقی سب زمین کے بیٹے تھے اور زندگی کے چکر میں ایک بالکل انوکھی دنیا میں آنکلے تھے اور اپنے آپ کو وہاں کا باشندہ بنانے کی جان توڑ کوشش کر رہے تھے۔" (۱۰)

مصنف نے اس ناول میں مل اور کارخانوں میں کام کرنے والے مزدور طبقہ کے معاشی حالات کے تصورات واضح دکھائی دیتے ہیں۔یہ لوگ سارا دن مشینوں کے آگے بیٹھے کام کرتے ہیں ۔مل کے مزدور اپنے اوپر ہونے والے مظالم کی وجہ سے ہڑتال کرتے ہیں۔ان کے ایک ساتھی کی ٹانگ فورمین کی غلطی کی وجہ سے ٹوٹ گئی تھی۔مزدوروں نے سوچا کہ کب تک وہ اپنے اوپر ظلم سہتے رہیں گے، کب تک ایک گدھے اور مزدور میں فرق نہیں ہو گا۔مزدور دن رات ایک کرکے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کرتے ہیں۔بڑے بڑے پتھروں سے سمیٹ تیار کرتے ہیں۔کپاس سے کپڑا اتیار کرتے ہیں لیکن ان کے پاس خود رہنے کو گھر نہیں اور پہننے کو کپڑا نہیں ہے۔انھوں نے محسوس کیا کہ ان کے جسم کو بھی معاشی سہولیات چاہئیں۔ان کا جسم بھی موسموں کی گرمی اور سردی کو محسوس کرتا ہے۔وہ بھی اچھے گھروں میں رہ سکتے ہیں۔اس ہڑتال میں مزدور مردوں کے ساتھ ساتھ مزدور عورتیں بھی ان کے شانہ بشانہ کھڑی تھیں۔ان میں سے ایک مزدور نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا:

" بھائیو! ہم غریب اور ان پڑھ لوگ ہیں لیکن ہم کام کرتے ہیں اور حق حلال کی روزی کماتے ہیں ۔۔۔۔پچھلے برس ہم نے پانچ لاکھ گز کپڑا بنایا ہے۔کیا ہمیں جو ایک کی بجائے دو ڈانگریاں نہیں دی جاسکتیں؟ ۔۔۔وہ لوگ خوبصورت گھروں میں رہتے ہیں اور خوبصورت تصویریں دیواروں پر لٹکاتے ہیں ہمارے سیاہ بد نما جسموں کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ پچھلے سال میں ہم نے ساٹھ ہزار ٹن سیمنٹ بنایا ہے جس سے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

کمپنی کو دس لاکھ روپے کا فائدہ ہوا ہے، کیا ہماری مزدوری آٹھ آنے روز کے حساب سے بھی نہیں بڑھائی جا سکتی؟ "(۱۱)

اس ناول میں ایک ایسے طبقے کے حوالے سے بھی معاشی تصورات کو دکھایا گیا ہے جو جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے ظلم سے بھاگ کر شہر آ گئے ہیں اور اس نظام کو ختم کرنے کے لیے تشدد اور دہشت گردی کا رویہ اپنایا ہے۔ اس کے نمائندہ کردار مدن اور اس کی بہن ہیں۔ وہ بغاوت کا رستہ اختیار کرتے ہیں۔ ملک کی املاک کو بم دھماکوں کے ذریعے نقصان پہچاتے ہیں۔ ڈاکٹر اشرف مدن کے خاندان سے متعلق لکھتے ہیں:

"اچھوت طبقے سے متعلق ہونے کی بنا پر زمیندار کے مظالم سے تنگ آ کر گاؤں چھوڑ کر در بدر بھٹکنے پر مجبور ہوا تھا۔ اس کی عمر پچیس برس کی تھی لیکن اس نے ایک دن بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا۔" (۱۲)

اس ناول میں عبداللہ حسین نے کسان، جاگیر دار، مزدور اور سرمایہ دار سب کی معاشی حیثیت کے حوالے سے معاشی تصورات کو بیان کیا ہے بلکہ اس میں ان لوگوں کی آواز بھی سنائی دیتی ہے جو ان مظالم سے تنگ آ کر اپنے معاشی مسائل کے حل کے لیے آواز بلند کرتے ہیں۔ یہ ناول اہم معاشی تصورات کا عکاس ہے۔

باگھ

عبداللہ حسین کا ناول "باگھ" ۱۹۸۶ء میں پہلی مرتبہ چھپا۔ اس ناول میں قومی نوعیت کا اہم مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اصل موضوع محبت ہے جو مظفر آباد، آزاد کشمیر کے علاقے میں دکھائی گئی ہے۔

عبداللہ حسین نے آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے مختلف علاقوں کا ذکر کیا ہے۔ اس لیے اس ناول میں کشمیر کے معاشی حالات کے حوالے معاشی تصورات موجود ہیں۔ اس ناول میں پیشہ کے لحاظ ایک 'حکیم' سے ملاقات ہوتی ہے جو یاسمین کا باپ ہے۔ یاسمین کا باپ پیشہ کے اعتبار سے 'حکیم' تھا۔ مختلف علاقوں سے جڑی بوٹیاں حاصل کر کے ان کو پیس کر مختلف ادویات بناتا تھا۔ حکیم نے جڑی بوٹیوں کی پسائی کے لیے اسد، میر حسن، ولی اور نظام کو رکھا ہوا تھا۔ ایک ایک کے پاس رک کر پسائی کا جائزہ لیتا۔ انگلی اور انگوٹھوں میں مَل کر سفوفوں کی پسائی اور چوبی چمچہ اٹھا کر لعاب کی تار کو دیکھتا۔ حکیم کے پاس ہر قسم کے مرض کا علاج موجود تھا۔ خاص طور پر موذی مرض خونی بواسیر، گنٹھیا، سلِ دق، ذیابیطس اور 'دمہ' وغیرہ وغیرہ۔ حکیم علاج تو کرتا تھا لیکن پیسے نہیں لیتا تھا بلکہ اپنے مریضوں سے مختلف کام لیتا تھا۔ اسد نے اپنی اسی الجھن کا اظہار جب میر حسن سے کیا تو میر حسن نے کہا:

"اسے تو غلام چاہئیں، جن لوگوں کے گلے میں رساڈال کر مطب میں باندھ رکھے۔ نوکر تو آزاد لوگ ہوتے ہیں۔"(۱۳)

حکیم معاشی حوالے سے کافی دولت مند تھا۔ اس نے "گمشد" میں کافی زمین خرید لی تھی۔ جس پر گھر اور مطب بنایا تھا۔ پہلے کھیتی باڑی شروع کی بعد میں دوائی دینے کا کام شروع کیا۔ لیکن اپنے کام میں ملاوٹ سے کام لیتا تھا۔ پہلی بار اصل دوائی دے دی بعد میں آرام آنے کی صورت میں دوائی میں ملاوٹ کر کے دیتا تھا۔ 'حکیم' کا کردار ہمارے معاشرے کے عام ڈاکٹروں سے ملتا ہے۔ میر حسن کہتا ہے:

"اصل چیز تو پہلی بار ہوتی ہے۔ اس کے بعد شکل وہی رہتی ہے اصل بدل جاتا ہے۔ اصل وہ صرف پہلی بار ہی دیتا ہے، یا بیچ میں گھٹا بڑھا کر دیتا رہتا ہے۔ اس طرح یہ لوگوں کو باندھ کر رکھتا ہے۔ تم نے دیکھا ہے کسی کو اپنی پینے کو نہیں دیتا۔ کوئی اپنی دوائی نہیں پیتا۔"(۱۴)

عبداللہ حسین نے احکام پیشہ افراد کا رویہ بھی بیان کیا ہے۔ گمشد میں پولیس اہلکار کس طرح گاؤں کے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور گندی گالیاں دیتے ہیں ان سب کا بیان نہایت خوبصورتی سے موجود ہے۔ خفیہ ایجنسیاں کس طرح مجبور اور بے بس لوگوں کو اپنے ساتھ ملاتی ہیں۔ اور ان سے خفیہ کام لیتی ہیں۔ اس کی طرف بھی واضح اشارہ اس ناول میں موجود ہے۔

عبداللہ حسین نے مقبوضہ کشمیر کی معاشی حالت کو بھی دکھانے کی کوشش کی ہے، لوگوں کے پاس کھانے کو بہت کم ہے۔ بھینس، بکریاں پال کر اور جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر کے اپنے گھروں کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ وہاں کے ایک دو گھروں کی حالت کو اس طرح بیان کیا ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

"گھر صرف ایک کمرے پر مشتمل تھا۔ ایک دیوار میں مٹی کا راکھ بھرا چولہا سرد پڑا تھا۔ چولہے کے آگے نصف دائرے میں زمین پر تین بچے پڑے تھے۔ دو چھوٹے بچے ابھی محو خواب تھے۔۔۔ دیوار کے ساتھ ایک کھاٹ پڑی تھی جس کی ادوائین ٹوٹ کر نیچے لٹک رہی تھی۔ کھاٹ پر میلے میلے پھٹے ہوئے لحاف اور کئی دوسرے کپڑے ڈھیر کی شکل پڑے تھے۔"(۱۵)

اس کے بعد مصنف مزید ان کی معاشی حالت اور غربت کو بیان کرتا ہے:

"صرف تین بچے اٹھ کر اپنی ماں کے گرد زمین پر پاؤں کے بل بیٹھے تھے۔ کپڑے چیتھڑوں کی شکل میں ان کے میل سے اٹے ہوئے جسموں پر لٹک رہے تھے اور وہ ہاتھوں میں مکئی کی روٹی کے ٹکڑے تھامے انہیں بے خیالی کے انداز میں چبا رہے تھے اور دونوں اجنبیوں کو دیکھے جا رہے تھے۔"(۱۶)

اس کے علاوہ ایک عورت "جنت" نامی کا بھی ذکر کرتے ہیں جو جنگل سے جڑی بوٹیاں اکٹھا کرنے کا کام کرتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ لوگوں کے گھروں میں بھی کام کرتی ہے۔

مصنف کشمیر کے رستے میں موجود 'بے دخل' لوگوں کے کیمپوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔ ان کیمپوں میں بھی مڈل کلاس طبقہ اور غریب طبقہ موجود ہے۔ ان کے پاس رہنے کے لیے سرٹیفکیٹ موجود ہیں۔ غریب لوگوں کے پاس الگ الگ خیمے نہیں ہیں۔ بلکہ ایک بڑی سی چاردیواری کے اندر سبھی موجود ہیں۔ دن بھر کام کرتے ہیں اور رات کو واپس جاتے ہیں۔

عبداللہ حسین کا ناول "باگھ" دلچسپ ناول ہے۔ اس ناول میں آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کی معیشت کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ اس ناول میں کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے حوالے سے اہم معاشی تصورات کو پیش کیا گیا ہے۔

نادار لوگ

"نادار لوگ" عبداللہ حسین کا ناول ہے۔ یہ ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔ مصنف نے جون ۱۹۸۹ء میں لکھنا شروع کیا اور جون ۱۹۹۶ء پہلا حصہ مکمل کیا ہے۔ ناول کو ابواب بندی کے ذریعے آٹھ چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور حصہ نہم کے "آگے" جاری لکھا ہوا ہے۔ ناول کا تاریخی دور ۱۸۹۷ء سے لے کر ۱۹۷۴ء تک کے عرصے پر محیط ہے۔ ۱۹۴۷ء تک کا عرصہ اس ناول کا پس منظر ہے۔

اس ناول میں برصغیر کے لوگوں کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی استحصال کے حوالے سے معاشی تصورات کو بیان کیا گیا ہے۔ طاقتور طبقے کے ہاتھوں "نادار طبقے" کے معاشی استحصال کی جھلکیاں پورے ناول میں موجود ہیں۔ اس ناول میں تین طبقات کے حوالے سے معاشی تصورات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس میں فیوڈل اور بیوروکریٹ طبقہ، متوسط طبقہ اور نچلا طبقہ شامل ہے۔ جاگیر دار جہانگیر اعوان فیوڈل طبقہ کا نمائندہ ہے، ملک اعجاز اور سرفراز متوسط طبقہ اور بھٹہ مزدور، شجاع آباد کے غریب کسان اور مختلف چھوٹے چھوٹے پیشوں سے وابستہ نچلے طبقے کے لوگ ہیں۔ اور یہ تمام کردار حقیقی زندگی کی سچی معاشی استحصال اور معاشی بدحالی کی تصویر پیش کرتے ہیں۔

روزنامہ "جنگ" کے ادبی صفحہ پر مصنف کا ایک طویل انٹرویو "نادار لوگ" کے حوالے سے شائع ہوا جس میں ان سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ نے اس ناول کا نام "نادار لوگ" کیوں رکھا:

"دراصل میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ادیب کو ہر اس پہلو کی نشان دہی کر دینی چاہیے اور ہر اس ادارے کو تنقید کا نشانہ بنانا چاہیے جو کرپٹ ہو۔ جو لکھنے والا کرپشن اور ناانصافی کے خلاف برسرپیکار نہ ہو، اسے ادیب نہیں کہنا چاہیے۔ اگر پاکستان کے حالات جائزہ لیں تو کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے، جہاں کرپشن نہ ہو اور اس افراتفری کی وجہ سے سب سے زیادہ غریب اور مفلوک الحال لوگ متاثر ہو رہے ہیں۔ اسی لیے میں نے اس ناول کا نام "نادار لوگ" رکھا۔"(۱۷)

"نادار لوگ" میں مختلف کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس ناول کا کوئی مرکز نہیں ہے۔ لیکن اصل موضوع جاگیرداروں اور اعلی حکمران کے ہاتھوں غریبوں کا معاشی استحصال ہے۔ جاگیر دار اور اعلی حکمران کے نمائندے اپنا تسلط قائم رکھنے اور اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لیے ان نادار لوگوں کا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ نادار اور غریب عوام اپنی ضروریاتِ زندگی بلکہ خرچہ پانی کے لیے ان کا ظلم برداشت کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کی آواز سننے والا کوئی نہیں۔ اگر ان کے حق میں کوئی نیک دل انسان آواز اٹھاتا ہے تو یہ طاقتور طبقہ اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے ان کو ناکام کر دیتے ہیں۔

اس ناول کا سب سے بڑا کردار "جہانگیر اعوان" کا ہے۔ اس ناول میں جاگیر دار طبقے کے حوالے سے بھی معاشی تصورات کو پیش کیا ہے۔ عبد اللہ حسین نے اس کردار کے ذریعے معاشی استحصال کرنے والوں کے چہرے سے نقاب اٹھایا ہے کہ کس طرح یہ لوگ اپنی معاشی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر غریب عوام کے لیے شیطانی جال بچھاتے ہیں اور ان کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان غریب عوام کا جینا محال کر دیتے ہیں۔ جاگیر دار "جہانگیر اعوان" اپنے وقت کے جاگیر دارانہ نظام کا نمائندہ ہے۔ اس کا دادا جہان خان صوبیدار میجر ریٹائرڈ تھا جبکہ اس باپ علم جہاں انگریز سرکار کا ہم رکاب تھا۔ جس نے زمین حاصل کرنے کے لیے انگریزوں کو اپنے گاؤں کے نوجوان فراہم کیے تھے۔ اس کے بدلے گورے عالم جہاں سے بہت خوش تھے:

> "۔۔ جہاں آباد کا ملک عالم جہاں کے باپ صوبیدار جہان خان کو انگریز حکومت کی جانب سے ملک میں مختلف بغاوتیں دبانے کے صلے میں سند، تمغہ اور پنشن کے علاوہ بار کے علاقے اور سندھ میں ملا جلا کر چالیس مربع غیر آباد زمین عطا کی گئی تھی۔ یہ زمین اس نے آباد کرنے کی بجائے اپنے علاقے میں جہاں کا وہ رہنے والا تھا، پرائیویٹ مالکان سے معاملہ طے کر کے آٹھ مربعے زرخیز زمین کے بدلے میں دے دی تھی۔ یہاں اس نے جہان آباد نامی گاؤں کی بنیاد ڈالی تھی۔ "(۱۸)

عالم جہاں نے اپنی معاشی حیثیت کو مستحکم کرنے کے لیے انگریزوں کی چاپلوسی کی۔ اس طرح اپنی زمینوں، مزارعوں اور کاروبار میں مزید استحکام پیدا کیا۔ تعلیمی افادیت کو دیکھتے ہوئے اپنے بیٹے "جہانگیر اعوان" کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنا چاہا۔ جہانگیر اعوان سینئر کیمبرج کے آخری مرحلے میں ناکام رہا مگر باپ دادا کے مقابلے میں اسے اپنی ذاتی صلاحیتوں کا بھرپور علم تھا۔ جہانگیر اعوان نے سیاسی اور معاشی سطح پر استحکام حاصل کرنے کے لیے کافی غلط رستے بھی اختیار کیے۔ تقسیم کے وقت جہانگیر اعوان نے غیروں کی املاک پر قبضہ کیا تھا۔ اس کا ذہن اس وقت ایسے ایسے اقدامات کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے خاندان کو بہت زیادہ معاشی فائدہ حاصل ہوتا ہے:

> "ملک جہانگیر نے سن سنتالیس کے بٹوارے کے ساتھ ہی اپنے لیے دو فائدہ مند کام کیے۔ ایک تو اس نے ملک فلک شیر ری ہیبلی ٹیشن کمشنر کی مدد سے سکھوں کے چھوڑے ہوئے چھوٹے بڑے رقبوں پر قبضہ حاصل کر لیا۔ علاوہ اس کے مقامی مہاجنوں کے کوچ سے بیشتر ان کے پاس گروی شدہ اراضیوں کے کاغذات اونی پونی قیمت ادا کر کے ہتھیا لیے اور کچھ دیگر افسران کی معاونت سے، کچھ دھونس دھاندلی کے ذریعے، رجسٹریاں کرا کے انہیں اپنی قانونی ملکیت کی حیثیت دلوالی۔ اس طرح وہ اپنی زمینداری کو آٹھ سے دس، اور دس سے انیس مربعوں تک پھیلانے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسرے اس نے لوئر باری دوآب کا پانی رکنے کے ساتھ ہی حکومت سے قرضے حاصل کر کے ٹیوب ویل لگوائے اور ٹریکٹر خرید کر مشینی کاشت شروع کر دی تھی۔"(۱۹)

جہانگیر اعوان نے اپنے پورے گاؤں میں اپنی دہشت پھیلائی ہوئی تھی۔ غریب کسان اس کے غلام بن کے رہ گئے تھے۔ کوئی اس کے سامنے آواز نہیں اٹھا سکتا تھا۔ جب جہانگیر کے بیٹے عالم گیر سے شکار کے دوران قتل ہو گیا تو جہانگیر نے اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے اس قتل کی ذمہ داری اپنے ایک مزارع پر ڈال دی۔ 'جہانگیر اعوان' ہر وقت اپنے معاشی نفع ونقصان کو مد نظر رکھتا ہے۔ وہ سیاسی جماعتوں اور سیاسی لوگوں سے رابطہ رکھتا ہے۔ وہ سیاست میں بھی پیسے کے ذریعے کام نکلواتا ہے۔ اعجاز کو وہ سیاسی گُر سکھاتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

> "بھولے بادشاہ! آج میں تجھے سیاست کے ایک دو سبق دیتا ہوں۔۔۔۔ پہلا سبق مشہور کہاوت کے مطابق یہ کہ اپنے سارے انڈے ایک ٹوکری میں مت ڈالو مطلب یہ کہ کچھ بھائی برادری سرکار کے ساتھ رکھو۔ کچھ اپوزیشن کے ساتھ، تاکہ جس کسی کا راج ہو، حکومت اپنے ہی ہاتھوں میں رہے۔ دوسری بات "جہانگیر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

ہاتھ پھیلا کر انگوٹھا دو انگلیوں پر ملنے لگا" وہ بولا، پھر ہاتھ پہلو میں لے جا کر کرتے کی جیب کو تھپتھپایا " اور یہ۔"(۲۰)

جہانگیر دنیا کی ہر چیز کو دولت کی وجہ سے خریدنا چاہتا ہے۔ اپنے معاشی مقام و مرتبہ میں کمی نہیں آنے دیتا بلکہ اس میں اضافہ کے لیے مختلف روپ اختیار کرتا ہے ۔ اس کردار کے ذریعے عبد اللہ حسین نے جاگیرداروں کی عیارانہ سازشیں، ظلم و ستم، ناانصافی، غریب مزدوروں اور کسانوں کا معاشی استحصال دکھایا ہے۔

ناول کا ایک اور کردار جو معاشی لحاظ سے مضبوط ہے۔ لیکن اس نے اپنی معیشت مضبوط کرنے کے لیے بچارے غریبوں پر ظلم کیا ہے۔ یہ کردار " ازمیر گھی لمٹیڈ" کا مالک " حاجی کریم بخش" ہے۔ یہ لوگ معاشی فائدے کے حصول کے لیے سستی چیزیں بیچتے ہیں۔ غریب بیچارے معاشی حوالے سے تباہ حال پہلے ہی ہوتے ہیں۔ جب جیب میں پیسہ نہ ہو تو معمولی اور سستی چیزیں خرید کر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ " حاجی کریم بخش" کی مل میں جو سستا گھی تیار ہوا اس کو کھا کر غریب بچارے معدے کے مریض ہو گئے۔ ان کا معدہ بند ہو گیا کھانا ہضم نہیں ہوتا بلکہ معدے میں پڑا رہتا تھا۔ گندی چیزوں کے استعمال سے یہ لوگ اپنی جان گنوا دیتے ہیں۔ دتا کمہا جو اس مرض کا شکار ہوا کہتا ہے:

"غریب آدمی سے کیا پوچھتے ہو ملک جی۔ غریبی سب سے بڑی بدپرہیزی ہے۔ باقی دال روٹی کھا کر عمر گزری ہے۔ کوئی روگ نہیں لگا۔"(۲۱)

پھر کمہار دتا حکیم حاذق کی رائے کے بارے میں کہتا ہے:

"کہتا ہے میرے اندر زہریلا مادہ پیدا ہو گیا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ دال روٹی میں کیا زہر ہو گا۔ دال نہیں تو پودینے اور مرچوں کی چٹنی اور روٹی، دھنیے مرچوں کی چٹنی اور روٹی، ٹماٹر مرچوں کی چٹنی اور روٹی، پیاز مرچوں کی چٹنی اور روٹی۔ مہینے دو مہینے میں پیسوں سے کچھ گوشت مل جاتا ہے تو پکا لیتے ہیں۔ مگر پیٹ کو گوشت کی عادت نہیں پڑی، ہضم نہیں ہوتا۔ مرنے کے پیچھے کھا لیتے ہیں۔"(۲۲)

یہ وہی غریب عوام ہے جن کا معاشی استحصال ہر طرح سے ہوتا ہے۔ ان کے پاس پہلے ہی کھانے کو کچھ نہیں ہوتا دوسرا "حاجی کریم بخش" جیسے سرمایہ دار لوگ اپنے معاشی فائدے کے لیے انہی غریب لوگوں کا استحصال کرتے ہیں۔ یہ لوگ ملکی وسائل پر قابض ہو کر اپنا گھناؤنا روپ دکھاتے ہیں۔ اور غریب عوام پر ظلم کی انتہا کر دیتے ہیں۔ عاصم بٹ عبد اللہ حسین کے ان کرداروں کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عبد اللہ حسین نے ناول میں استحصالی قوتوں کو مختلف صورتوں میں پیش کیا ہے۔ وہ کبھی جاگیرداروں کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہیں تو کبھی سیاست دانوں اور کبھی سفاک پولیس کی صورت میں۔ ہر صورت میں ان کا شکار غریب اور 'نادار لوگ' ہیں۔"(۲۳)

محمد اعجاز متوسط طبقے کا نمائندہ کردار ہے۔ اعجاز نے ضرورت کے تحت مختلف پیشے اختیار کیے۔ پہلے وہ سکول میں ہیڈ ماسٹر ہوا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد لیبر یونین کا لیڈر بن گیا وہاں سے ناکامی کے بعد جرنلسٹ بن گیا لیکن بنیادی طور پر ایک کسان تھا۔ اس کے باپ کے پاس بارہ ایکڑ زمین تھی۔ جو " کبیر سنگھ " میں رہ گئی تھی۔ جب وہ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے تو موضع شجاع آباد میں رہنے لگے۔ جہاں اس کے پاس دس ایکڑ زمین تھی۔ اس نے رہن رکھ کر سرفراز کی تعلیم شروع کروائی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ سکول ٹیچر بھی ہو گیا۔ کمائی کا ایک اور ذریعہ بھی نکل آیا تو اس نے اپنی رہن زمین چھڑوالی۔ خود کاشت کاری کرنے لگا۔ سرفراز نے اپنے کھیت کے بارے میں لکھا اس سے اس کی معاشی محنت نظر آتی ہے:

"لالے نے آٹھ ایکڑ زمین تیار کر کے اپنے ہاتھ سے کماد کی فصل بوئی۔ جس میں مَیں نے بھی برابر کا ہاتھ بٹایا۔ یہ اس سال کا دوسرا بڑا واقعہ تھا۔ کچھ زمین ہماری محنت سے لائق ہوئی، کچھ آسمان اس سال مہربان رہا، پھر چاچے احمد نے ایک نمبر کے گاڑھے رس والے (یعنی کماد) کا بیج حاصل کرنے میں مدد کی، فصل ایسی گھنی چڑھی کہ سورج کی روشنی زمین پر نہ پڑتی تھی اور کھیت میں ایک قدم چلنا دشوار تھا۔ دوسرے گاؤں کے زمیندار اس آٹھ ایکڑ کماد کے پھل کو دیکھنے کے لیے آئے تھے۔۔۔"(۲۴)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

ملک اعجاز نے محنت کر کے اپنی معاش میں اضافہ کیا۔ جہانگیر اعوان نے اس کا سارا گنا اپنی مل کے لیے اٹھالیا اور نقد روپے دیے جس سے پہلی بار اعجاز کے گھر میں پیسہ آیا۔ گھر والوں نے پہلی بار اچھے کپڑے پہنے بلکہ اس کی بیوی سکینہ نے اپنے ماپے بھی ایک جوڑا سوٹ بھیجا تھا۔ جب اعجاز کی جاگیر دار جہانگیر اعوان سے بات چیت بند ہوئی تو جہانگیر نے پہلے تو اس کے کھیت تباہ کیے پھر اس کا باقی کماد اٹھانے سے انکار کر دیا تو اعجاز پہلے تو بہت پریشان ہوا کیونکہ کماد کو کیڑا لگنے لگا پھر اس کے ذہن میں کاروبار کا ایک نیا طریقہ آیا۔ اس نے سوچا کہ جو گُڑ ہم سرحد پار سے ناجائز طریقے سے منگواتے ہیں گر ہم اس کو اپنے ملک میں تیار کر لیں تو سستا بھی پڑے گا اور لوگ آسانی سے خرید لیں گے اور گنا بھی نکل جائے گا:

" ہاں ہاں" اعجاز سوتے ہوئے بولا" کیوں نہ ہم سارا گُڑ ہی ایسا بنالیں؟"

" سارے کا سارا؟" سکینہ نے حیرت سے پوچھا۔

" ہاں۔ گھر کے لیے بنا سکتے ہیں تو منڈی کے لیے کیوں نہیں بنا سکتے؟"

" ہاں لالہ" سرفراز بولا، کیوں نہیں بنا سکتے؟

"کوئی ایسی بات ہی نہیں" اعجاز نے کہا" چاچا پستہ، بادام، اخروٹ سب ادھر سے منگوا دے گا۔ سستا بھی پڑے گا۔ گڑ میں میوہ ملا کر چھوٹی چھوٹی ڈلیاں بنالیں گے۔ منڈی سے وصولی ہو گی تو چاچے کا حساب بے باق کر دیں گے۔"(۲۵)

اعجاز نے اپنے لیے زمین خریدی اس کی زمین ایک مربع سے زیادہ ہو گئی تھی۔ جس پر وہ ہر قسم کی فصل بوتا تھا۔ پہلے وہ دوسروں کی زمین ٹھیکے پر لے کر زمینداری کرتا تھا۔ اب اس کے پاس اپنی زمین تھی، آہستہ آہستہ اس نے اپنا گھر بھی پکا کروالیا۔ شہری طرز پر کمروں کے ساتھ اٹیچ غسل خانہ بھی بنوایا۔ سائیکل کی جگہ موٹر سائیکل خرید لیا۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس کی معاشی حالت میں استحکام پیدا ہو گیا لیکن وہ سرفراز کو غربت کے بارے میں بتاتا ہے کہ غربت کس چیز کا نام ہے:

"میں نے غربت دیکھی۔ روٹی پیٹ میں جاتی رہی ہے، مگر فاقہ کشی سے بڑی غربت کی صورتیں ہوتی ہیں۔ میں نے ہجرت اور ماں کی موت ایک ساتھ دیکھی ہے۔ یہ غربت کا ایک بہت بڑا مقام ہے۔ تو خوش قسمت ہے، نہ ہجرت دیکھی نہ ماں کی خبر ہوئی۔۔۔ سب سے بڑی غربت کی ذلت ہوتی ہے، ناطاقتی کی غربت، زیادتی کے سامنے بے بضاعتی کی غربت، سمجھو یہ غربت کا صدر مقام ہے۔"(۲۶)

عبداللہ حسین نے اعجاز کے ذریعے یہ معاشی تصور دیا ہے کہ بھوک پیاس کو تو برداشت ہو جاتی ہے لیکن ذلت برداشت نہیں ہوتی ہے۔ خاص طور پر جب آپ کے ساتھ زیادتی کی جا رہی ہو اور آپ میں اتنی ہمت نہ ہو کہ آپ اس کو روک سکیں۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ میں اب ذلیل نہیں ہوں گا۔ میری جیب میں پیسے ہیں۔ لوگ مجھے عزت دیتے ہیں۔ میں بھی غریبوں کی ہر موقع پر مدد کروں گا ان کو کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ اس طرح آہستہ آہستہ اعجاز زمینداری کو چھوڑ کر مزدوروں کی یونین پارٹی کا لیڈر منتخب ہو گیا۔ مزدوروں کے حق میں کام کرنے لگا۔ جس جگہ بھی حکومت کی طرف سے ناانصافی ہوتی اس کے خلاف جلسے جلوس کرتا۔ ایک دفعہ جب انہی کی جماعت کا ایک ممبر ووٹ لے کر کامیاب ہو جاتا ہے اور بعد میں منہ پھیر لیتا ہے تو اعجاز جلسے میں تقریر کے دوران کہتا ہے:

" پچیس سال ہو گئے ہم سن رہے ہیں کہ عوام کے لیے یہ ہو رہا ہے اور عوام کے لیے وہ ہو رہا ہے۔ جو بھی حاکم آتا ہے یہی رٹ لگاتا ہے کہ عوام کی بھلائی کے لیے آئے ہیں۔ اب دیکھیے کہ ان پچیس سالوں میں بھلائی کس کی ہوئی ہے۔ بھلائی ہوئی ہے امیروں اور کبیروں کی، افسروں اور جاگیرداروں کی، نفع خوروں اور رسہ گیروں کی، بلیکوں اور سمگلروں کی، بدعنوانوں اور رشوتیوں کی۔ ان سب کی بھلائی ہوئی ہے۔ تو پھر آپ مجھے بتاؤ کہ عوام کون ہوئے؟۔۔۔ (۲۷)

اعجاز کی بیوی سکینہ نے اس کی معاشی حیثیت کو سہارا دینے کے اس کا ساتھ دیا۔ وہ ایک وفادار بیوی کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر بیوی اچھی سلیقہ مند ہو تو گھر میں کبھی بھی فاقوں کی نوبت نہیں آتی۔ جب سکینہ نے دیکھا کہ اعجاز نے زمینوں پر توجہ دینی چھوڑ دی تو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

اس نے خود ہی کماد کی کھڑی فصل جہانگیر اعوان کی مل میں بھیج دی۔ زمینوں کو ٹھیکے پر دے دیا اور آدھی زمین پر اپنے چچا کے ذریعے کھیتی باڑی شروع کر دی۔ اس کے علاوہ اعجاز کی غیر موجودگی میں گھر سے باہر بھی جاتی ہے۔ اس کے کردار میں کوئی خامی نظر نہیں آتی۔ اپنے بچوں کی اچھی نگہداشت بھی کرتی ہے۔ سکینہ کے کردار کے ذریعے عبداللہ حسین نے ایک دیہاتی بیوی کی جھلک دکھائی ہے جو ہر طریقہ کی صورت حال میں اپنے مرد کے شانہ بشانہ چلتی ہے۔

عبداللہ حسین نے بھٹہ مزدوروں کے ذریعے نچلے طبقے کی معاشی بدحالی اور بے بسی کے حوالے سے بھی معاشی تصورات کو دکھایا ہے۔ اینٹوں کے بھٹوں پہ کام کرنے والے مزدور مرد، عورتیں اور بچے جو نسل در نسل ایک کنبے سے دوسرے کنبے تک خریدے اور بیچے جانے کی اذیت ناک مرحلے سے گزرتے ہوئے نسل انسانی کی ارزانی اور بے وقعتی پر اور ہماری ذہنی و اخلاقی پسماندگی پہ بھرپور چوٹ کرتے ہیں۔ ان دیہاڑی داروں کی 'کل' اپنی نہیں ہوتی، بھٹہ مزدوروں کی زندگی ہی اپنی نہیں ہوتی۔ آج کل کے دور میں یہ لوگ خریدے اور بیچے جاتے ہیں:

> "اس پیشگی کی رقم سے ان کے سارے کنبے کی زندگی کا سودا طے پاتا ہے۔ پیشگی کی رقم کا تعین ہی اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ کنبے میں کتنے ہاتھ کام کرنے والے ہیں۔ نہ عورت کا سوال نہ بچے کا۔ پانچ سال سے لے کر اسی سال کی عمروں تک صرف ہاتھوں کی تعداد گنی جاتی ہے۔ اور پیشگی طے پاتی ہے۔ اگر مزدور ایک مالک سے تنگ آ کر دوسرے بھٹے پر جانا چاہے تو مالک اسے پیشگی کی پرچی بنا کر دے دیتا ہے۔ دوسرا مالک پہلے کو پرچی کی رقم ادا کر کے مزدور کو بمعہ اہل و عیال خرید لیتا ہے۔ مزدوری کا حساب یہ ہے جناب من، کہ ہر ہفتے مزدوری آدھی ملتی ہے، بقیہ آدھی پیشگی کے کھاتے میں کاٹ لی جاتی ہے۔"(۲۸)

بھٹہ مزدوروں کے علاوہ جاگیر دار اور زمینداروں کی زمینوں پر کام کرنے والے غریب کسانوں کا بھی اسی طرح معاشی استحصال کیا جاتا ہے۔ ان کو غلام بنایا جاتا ہے۔ ان غریب اور نادار لوگوں پر ہر حکومت میں ایسا ہی ظلم ہوتا رہتا ہے۔ وہ چپ چاپ اپنا استحصال ہوتا دیکھتے ہیں مگر اس کے خلاف آواز بلند نہیں کرتے۔ بھٹہ پر کام کرنے والی عورت "کنیز" جو آزادی کے لیے آواز بلند کرتی ہے۔ اپنے شوہر پر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز بلند کرتی ہے۔ تھانے جاتی ہے۔ لیکن اس پر جنسی حملہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کے شوہر کو دو سو روپے دے کر چپ کروا دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف "نور محمد" جو جہانگیر اعوان کے بیٹے سے ہونے والے قتل کو اپنے ذمے لیتا ہے اور چند معاشی تحفظات کا مطالبہ کرتا ہے:

> "پھاہ کا ڈر نہیں سرکار۔۔ یہ سر اوپر والے کی اور آپ کی امانت ہے۔ گیا تو گیا۔۔ بس ایک دو باتوں کی فکر ہے۔۔"
>
> "بتا"
>
> "میرے دروازے پر بھینس باندھ دو"
>
> "باندھی گئی"
>
> "لڑکی کا بیاہ پہلے بھی سرکار نے کرنا تھا۔ اب بھی سرکار نے کرنا ہے۔"
>
> "درست"
>
> "سال کے سال دانے گھر میں آ جائیں۔"
>
> 'ٹھیک"
>
> "میرا بچہ سکول جائے نہ جائے۔ اس کا روزگار آپ کے ذمے۔"
>
> "منظور"
>
> "میں آ گیا تو آ گیا۔۔۔ نہ آیا تو معراج بی بی کو نکاح کی آزادی ہے۔"(۲۹)

نورے نے چند معاشی تحفظات کی یقین دہانی پر اپنی زندگی اپنے مالک، جہانگیر اعوان کے لیے قربان کر دی۔ لیکن کوئی احتجاج نہ کیا۔ کیونکہ اسے پتہ تھا کہ احتجاج کرنے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ اس کو اپنی قسمت کا لکھا ہوا سمجھ کر اپنے حق کے لیے دفاع نہیں کرتا ہے۔ سرفراز، کا کردار ایک فوجی کے روپ میں دکھایا گیا ہے۔ سرفراز ایف۔ اے کرنے کے بعد فوج میں چلا جاتا ہے۔ سخت ٹریننگ کے بعد 'میجر' کے عہدے تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن دشمن عناصر کا شکار ہو کر مختلف الزام لگا کر نوکری سے نکال دیا جاتا ہے۔ سرفراز واپس آ کر زمینداری شروع کر دیتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

ناول "نادار لوگ" میں غیر قانونی ذریعہ معاش کے حوالے سے بھی معاشی تصورات موجود ہیں۔ یہ کاروبار "گڑ" کا کاروبار ہے۔ جو سرحد پار انڈیا میں بھیجی جاتی ہے۔ یہ کاروبار سکینہ کا چچا کرتا ہے۔ اعجاز اس کے بارے میں ساری معلومات اس طرح بیان کرتا ہے:

"سائیں۔۔ کس قسم کا مال ادھر سے ادھر جاتا ہے؟"

"گڑ"

"ہاں۔ ادھر سے کھانڈ آتی ہے۔ ہندوستان میں کارخانے ہیں۔"

"پھر گڑ کیوں ادھر جاتا ہے۔"

"واہ باؤ اجاز، تو ماسٹر کا ماسٹر ہی رہا۔ بھئی ان کا کماد تو سیدھا کارخانوں میں چلا جاتا ہے۔ پیسے نقد جیب میں آجاتے ہیں۔ ان کے ان کے لیے گڑ ادھر سے جاتا ہے۔"

"تیری بات تو ٹھیک ہے" اعجاز نے ہنس کر کہا۔ اور کیا کچھ جاتا ہے؟"

"دانے"

"دانے؟"

"گندم بھئی گندم۔ اور سونا"

"سونا؟"

"ہاں۔۔ عرب میں حاجی سونا لے کر نہیں آتے؟ ہندوستان میں بڑا مول ملتا ہے۔"

"ادھر سے کیا آتا ہے؟"

"لاچی۔ گرم مسالہ، کھانڈ، لٹھا۔"(۳۰)

اس طرح عبداللہ حسین نے غیر قانونی پیشے کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کی ہے کہ لوگ سرحد پار چوری چھپے سامان کی درآمد اور برآمد کرتے ہیں۔ پولیس اور فوج اس میں ملوث ہوتی ہے۔ یہ سامان جانوروں پر لاد کر بھیجا جاتا ہے۔ ایک ایک پیسے کا حساب رکھا جاتا ہے۔ سارا کام اعتبار پر ہوتا ہے۔ اس ناول میں وکیل " معراج الدین" کا بھی ذکر ملتا ہے، یہ پیشے کے اعتبار سے وکیل ہے۔ لیکن یہ غریب عوام کے لیے کیس لڑتا ہے اور بغیر فیس کے سارا کام کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر احسان الحق، کا ذکر ہے جو لوگوں کی خدمت کرتا ہے۔ غریب عوام کو مفت دوائی بھی دے دیتا ہے۔ اللہ دتا کمہار کا علاج بھی یہی ڈاکٹر کرتا ہے۔ بشیر احمد کے والدین سبزی فروش تھے، اس طرح مختلف چھوٹے چھوٹے پیشہ ور لوگ اس ناول میں موجود ہیں۔ اس ناول میں 'نسرین' نام کی ایک لڑکی بھی ہے۔ جو غریب مزارعے کی بیٹی ہے لیکن ایک کرنل نے زبردستی اپنے گھر رکھا ہوا ہے۔

مجموعی طور پر یہ ناول 'غریب طبقہ' کے معاشی استحصال پر لکھا گیا ہے۔ کہ کس طرح طاقتور طبقہ ان کا معاشی استحصال کرتا ہے لیکن یہ غریب عوام صرف ان کو برداشت کر سکتے ہیں۔ ان کے خلاف آواز بلند نہیں کر سکتے۔ اعجاز نے ساری عمر غریبوں کے لیے اور پارٹی کے لیے کام کیا لیکن اس کو ذلیل کر کے اس سے استعفی لے لیا گیا۔ میجر سرفراز جس نے مشرقی پاکستان میں جیل کاٹی آخر کار اس پر الزامات لگا کر نکال دیا گیا۔ جب بشیر احمد کو سیدھے طریقے سے حقوق نہ ملے تو اس نے ناجائز ذرائع کا استعمال کیا۔ اس طرح پورے ناول میں غریب اور نادار عوام کا استحصال دکھایا گیا ہے۔ معاشی حوالے سے یہ ایک بہترین ناول ہے۔

حاصل کلام

عبداللہ حسین نے اپنے ناولوں میں پہلی جنگ عظیم، تقسیم وطن اور اس کے بعد کی معاشی صورت حال کو بیان کیا ہے۔ ان واقعات کے بیان میں نہ صرف تاریخ کے مختلف ادوار اور ان کی تلخ حقیقتوں کو تہہ در تہہ کھولا گیا ہے۔ بلکہ وقت اور حالات کے ساتھ ہر لحہ بدلتی ہوئی اقدار و روایات، طرز زندگی اور شہری و دیہاتی زندگی کے معاشی حالات و مسائل کو خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ ان ناولوں میں پیش کی جانے والی دیہی زندگی اور کسان کا رہن سہن، سوچ و فکر اور مصائب سے لے کر سیاسی جدوجہد، عوامی بے چینی اور عام عوام کے معاشی مسائل کے حوالے سے معاشی تصورات کو پیش کیا گیا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

عبداللہ حسین نے متحدہ ہندوستان اور پاکستان کے غریب کسان، مزدور کی زندگی کو تاریخ کے تناظر میں دکھایا ہے۔ جس سے زندگی کے تمام نشیب و فراز ناولوں میں بڑی وضاحت اور تجرباتی ڈھنگ سے پیش کئے گئے ہیں ۔

حوالہ جات

۱۔ محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، اسلام آباد: یورپ اکادمی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۹۴
۲۔ عبداللہ حسین، اداس نسلیں، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۵۷
۳۔ ایضاً ص ۱۲۱
۴۔ ایضاً ص ۲۵۶
۵۔ ایضاً ص ۲۵۶
۶۔ ایضاً ص ۲۶
۷۔ ایضاً ص ۱۷۴
۸۔ محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، ایضاً ص ۱۹۷
۹۔ مشتاق احمد قدوائی، ڈاکٹر، تقسیم کے بعد اردو ناول میں تہذیبی بحران، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ص ۲۴۲
۱۰۔ عبداللہ حسین، ڈاکٹر، اداس نسلیں، ایضاً ص ۳۲۴
۱۱۔ ایضاً ص ۴۱۰
۱۲۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۳
۱۳۔ عبداللہ حسین، باگھ، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۵۶
۱۴۔ ایضاً ص ۵۷
۱۵۔ ایضاً ص ۲۴۲
۱۶۔ ایضاً ص ۲۴۷
۱۷۔ عبداللہ حسین سے گفتگو، از فیضان عارف، روزنامہ جنگ، راولپنڈی، اشاعت، ۲ دسمبر، ۱۹۹۷ء، ص ۹
۱۸۔ عبداللہ حسین، نادار لوگ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص ۵۷
۱۹۔ ایضاً ص ۱۶۵
۲۰۔ ایضاً ص ۱۷۱
۲۱۔ ایضاً ص ۵۳۰
۲۲۔ ایضاً ص ۵۳۱۔۵۳۰
۲۳۔ محمد عاصم بٹ، عبداللہ حسین فن اور شخصیت، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۰۸ء، ص ۱۰۱
۲۴۔ عبداللہ حسین، نادار لوگ، ایضاً ص ۲۴۰
۲۵۔ ایضاً ص ۲۸۱
۲۶۔ ایضاً ص ۳۱۷
۲۷۔ ایضاً ص ۴۷۰
۲۸۔ ایضاً ص ۱۴۸
۲۹۔ ایضاً ص ۴۳۵
۳۰۔ ایضاً ص ۵۳۴